بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ——— وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود مع التسلیم

# مُقدّمۃُ الکتابْ

——(از قلم حقیقت رقم حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین)——

مکرم محترم مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشّر "برہان ہدایت" کے نام سے تبلیغی تجارب اور تبلیغ حق کی راہ میں نصرت الٰہی اور تائیدات ربانی کے واقعات ایک کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس عاجز کو بھی تبلیغ اسلام کا موقعہ ملا ہے بلکہ ساری زندگی ہی دین اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے وقف ہے۔ اس ضمن میں کچھ عرصہ انڈونیسیا میں رہ کر بھی تبلیغ اسلام کا موقعہ میسّر آیا۔ میرے سارے تبلیغی تجارب کا نچوڑ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے اور محض اسلئے نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کرے اور اسلام کی صداقت کی گواہی دے نصرت الٰہی اس کو ہر وقت گھیرے رہتی ہے اور خدائی معیت اسے حاصل ہوتی ہے اور خدا کا فضل اس کے آگے بھی ہوتا ہے اور پیچھے بھی۔ دائیں بھی ہوتا ہے اور بائیں بھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں انڈونیشیا میں تھا تو ایک عزیز کا ربوہ سے مجھے خط گیا کہ مجھے بھی غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے بھیجا جا رہا ہے تمہیں جو اس سفر میں تجربات ہوئے ہوں وہ لکھ بھیجو تا میرے کام آئیں۔ اس خط کے جواب میں بھی میں نے یہی لکھا تھا کہ مجھے تو صرف ایک تجربہ ہوا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو پیغام حق پہنچانے کے لئے اپنا گھر و عزیز و اقارب چھوڑتا ہے اس کو کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیئے اُس کا خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُس کے گھر سے بہتر

گھر اور اس کے عزیزوں سے بڑھ کر محبت کرنے والے ایمانی رشتہ میں پروئے ہوئے عزیز عطا فرماتا ہے۔ یہ میرا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ پختہ تجربہ ہے جو اس راہ کے پہلے ہی قدم میں مجھے ہُوا۔ پھر اس کے بعد جو عنایاتِ الٰہیہ سے دیکھا اس کا تو بیان بھی ممکن نہیں۔ فسبحان اللہ نعم المولیٰ و نعم الوکیل۔

جب مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ و نوّر مرقدہٗ کا حکم ملا کہ تمہیں تبلیغ کے لئے انڈونیشیا بھیجا جاتا ہے تو یہ حکم سنکر پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہ تھا۔ کہ مجھے تو تقریر کرنی نہیں آتی اور اس خیال کے ساتھ دوسرا خیال یہ آیا کہ بہرحال اب تو تقریر کرنی پڑے گی۔ کیونکہ تقریر کے بغیر تبلیغ کیونکر ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں خیال آناً فاناً دل میں آئے اور چلے گئے۔ اس سے پہلے میرا یہ خیال تھا کہ مجھے تقریر کرنے سے بہت سخت حجاب بلکہ کہہ سکتا ہوں کہ خوف آتا تھا۔ بلکہ اگر کبھی تقریر کے لئے کھڑا کر دیا جاؤں تو لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر نہ کبھی حجاب و خوف محسوس ہُوا نہ کبھی دل میں وہم کے طور پر بھی یہ خیال آیا کہ دینِ اسلام کی فوقیت کا سوال ہو اور کسی بھی موضوع پر کسی بھی مجلس میں تقریر کرنی پڑے تو کسی قسم کی جھجک بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نے تائیدِ اسلام میں ایسے ایسے دلائل سکھائے اور اس قسم کا ملکۂ تقریر عطا فرمایا جو میرے ہی لئے نہیں دوسروں کے لئے بھی موجبِ حیرت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جکارتا کے ساتھ کباپورن ایک ملحقہ علاقہ ([illegible]) ہے۔ وہاں ایک جلسہ تھا۔ مَیں نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کے دوران میں مَیں بار بار حیران ہوتا تھا کہ یہ معارف کہاں سے آ رہے ہیں۔ جو کبھی پہلے خیال میں نہ تھا اور جب تقریر کر کے بیٹھا۔ تو دل میں خیال آیا کاش اس تقریر کے نوٹ ہوتے یا کسی نے لکھے ہوتے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس قسم کے معارف اللہ تعالیٰ نے اور نئی نئی باتیں اور دقائق الٰہیات اور سچی توحید کے مراتب مجھے اس وقت تقریر کے دوران میں سکھائے جو مجھے پہلے معلوم نہ تھے اور جن کے متعلق مجھے خیال آیا

کرکاکش ضبط تحریر میں آجاتی تو مجھے بھی فائدہ ہوتا اور دوسروں کو بھی۔ یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ نصرتِ الٰہی کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

ایک عجیب بات جو میں نے وہاں دیکھی وہ غیر معمولی علمی رعب تھا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہاں پر عطا فرمایا۔ جس کی وجہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں تو ایک بالکل ہیچ میرز اور لاعلم سا آدمی تھا اور ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسا علمی رعب عطا فرمایا تھا جو میرے لئے بہت حیرت کا موجب تھا۔ اپنوں میں ہی نہیں بلکہ غیروں میں بھی۔ شروع میں جب مجھے انڈونیشین زبان نہیں آتی تھی زیادہ تر انگریزی ہی سے کام چلایا جاتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ زیادہ واسطہ تعلیم یافتہ اور خصوصاً مروّجہ تعلیم والوں سے پڑتا تھا۔ ان دنوں میں انڈونیشیا نیا نیا آزاد ہوا تھا اور وہاں پر آزادی کو ایک ایسے فلسفے کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا کہ گویا کوئی سلوک الی اللہ اور کمالِ انسانی کا ذریعہ ہے۔ یونیورسٹیوں کالجوں تعلیمیافتہ لوگوں کی محافل میں اکثر یہی مبحث ہوتا تھا اور فلسفۂ سیاست ہی ان کے نزدیک گویا تمام علوم کا مدار تھا۔ لازماً اس صورت میں بعض دفعہ ایسی باتیں آجاتی تھیں جو خلافِ اسلام ہوتیں یا ایسے خیالات رائج ہو جاتے جو اسلامی تعلیم کے متناقض ہوتے تو احمدی طلباء اس قسم کے سوال میرے پاس لے کر آیا کرتے اور مجھ سے جواب سیکھتے۔ جس سے نہ صرف ان کی تسلّی ہوتی بلکہ ان کی بھی دھاک بیٹھ جاتی۔ اور جب وہ یہ بتاتے کہ ہم تو خود کسی اور کے شاگرد ہیں تو دوسروں کو بھی شوق پیدا ہوتا اور وہ ملنے کے لئے آتے اور اسلامی تعلیم کی فوقیت اور قرآنی کمالات کے معترف ہو جاتے۔

انڈونیشیا کے دوران قیام جو سب سے بڑی خدمت خاکسار کو کرنے کا موقعہ ملا وہ یہی تھی کہ نئی نئی آزادی ملنے اور آزادی کے خیالات سے آزاد روی اور مغربی فلسفہ کے اثر سے خودی کا جو خلافِ اسلام تصوّر وہاں کی نئی پود خصوصاً کالج کے طلباء میں پیدا

ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وہ یا تو کھلم کھلا اسلام کے باغی ہو رہے تھے یا بعض اسلامی اصولوں کو ترک کرنے یا ترمیم کرنے کی آواز اٹھا رہے تھے ایسے لوگوں کے غلط خیالات کی اصلاح کرنا اور اسلام کی علمی فوقیت و برتری کو ثابت کرنے اور قرآن کریم کے سرچشمۂ علم و ہدایت ہونے اور ہر خیر و خوبی کا جامع ہونے پر یقین پیدا کرنے کی توفیق بفضلِ الٰہی ملی ۔ اور جب بھی اور جس مجلس میں بھی کسی فلسفہ اور کسی علم کی رو سے قرآن مجید پر کوئی اعتراض کیا گیا یا اسلام کے اصول حقہ پر کوئی حملہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے رنگ میں جواب دینے کی توفیق بخشی کہ نہ صرف مخالف سے جواب ہی بن پڑا بلکہ اسے بھی اسلام کی خوبیوں کا معترف ہونا پڑا ۔

انڈونیشیا کے قیام کے دوران میں ایک دفعہ بے دین فرقہ اہل بہاء سے بھی ایک مناظرہ کا موقعہ ملا ۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُن کے سارے اعتراضات کے شافی جواب دیئے گئے اور ان کے لئے مفر کی راہ نہیں چھوڑی گئی تاہم مجھے اس مناظرہ کے دوران شدت سے احساس ہوا کہ اگرچہ دلائل و براہین کے ہتھیار بھی صداقت کے قیام کے لئے ضروری اور بہت ضروری ہیں اور کوئی مذہب جب تک اپنے ساتھ ایسے ٹھوس اور محکم دلائل نہ رکھتا ہو جو اتنے بلند اور پُرعظمت ہوں کہ کسی معترض کا ہاتھ اُن کی بلندی تک نہ پہنچ سکے اس وقت تک اس مذہب کی صداقت اور اُس کا من جانب اللہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک یقینی امر ہے جو تبلیغ کرنے والوں کے تجربہ میں آتا ہے کہ محض علمی دلائل اور منطقی نتائج سے دلوں کی تسلی نہیں ہوتی ۔ چنانچہ اِس مناظرہ کے دوران مجھے بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ مذہب کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل جس کا کوئی جواب نہیں اور جو دلوں میں تبدیلی پیدا کرتی اور سرکش سے سرکش کو عنوۃً حق کی طرف کھینچ لاتی ہے آسمانی دلیل ہی ہوتی ہے ۔ یعنی کسی انسان کا یہ کہنا کہ خدا میرے ساتھ ہے ۔ اور

یہ میری صداقت کا ثبوت ہے ۔ وہ میری مدد کرتا ہے اور وہ میرے لئے ایسے کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا اور صرف یہ دعویٰ ہی نہ کرنا بلکہ اس کو غیروں پر ثابت بھی کر دکھانا جس طرح حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اسلام کی صداقت کو اپنی ذات سے ثابت کیا اور ایسے روحانی کمال اور مقرب بارگاہ اور مقبول حضرۃ عزّۃ ہونے سے اسلام کی صداقت کی دلیل اسلام کے دشمنوں کے سامنے پیش کی ۔ یہ دلیل بہت بڑی دلیل ہوتی ہے ۔ یہی فرقان ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا اور جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام سے بشرط تقویٰ کر رکھا ہے ۔ چنانچہ اس مناظرہ کے دوران مجھے بھی اس بات کا شدید احساس ہوا کہ مبلغ کو ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی ذات میں اسلام کی صداقت کا نشان ہو ۔ اس کے گفتار میں اور کردار میں صدق وراستی کا ایسا نور ہو اور اس کے چہرہ پر محبتِ الٰہی کے ایسے نشان ہوں اور اس کے ساتھ خداتعالیٰ کا ایسا معاملہ ہو کہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ ہو بلکہ اُسکا سارا وجود یہ کہے کہ دیکھو مجھے ۔ میں خدا تعالیٰ کا ہوں اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے ۔ میرے پاس آؤ اور میری مانو ۔ تو تم خداتعالیٰ تک پہنچ جاؤ گے ۔ مجھے اسی احساس سے اپنی بے مائیگی کا بڑی شدت سے احساس ہوا اور بڑی دُعائیں کیں کہ خدا تعالیٰ مجھے ایسا بنا دے کہ میں اسلام کی صداقت کا ایک نشان ہوں ۔ اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک روشن حجت ۔

ابھی مجھے انڈونیشیا میں گئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں اور میرے ساتھ ایک اور احمدی ایک عیسائی خانقاہ (کانونٹ) میں گئے ہیں ۔ وہاں کچھ پادری اور کچھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ۔ بچے بہت ہی کُند ذہن اور افسردہ و مُردہ معلوم ہوتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ بغیر صاف لفظوں میں انہیں اسلام سے روشناس کرانے کے سوالوں کے ذریعہ انکو اسلام کی طرف کھینچوں ۔ اس لئے میں اُن سے سوال کرنا شروع کر دیتا ہوں مگر وہ کچھ ایسے کودن اور غبی ہیں کہ بالکل اُن میں کوئی ذہانت کی چمک نظر نہیں آتی ۔

پہلے تو مَیں مایوس ہوتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کوشش جاری رکھوں شاید کوئی اِن میں سے سمجھ جائے۔ چنانچہ میں ان سے سوال کرتا جاتا ہوں۔ آخر محسوس ہوتا ہے کہ انکی عقل جسے خانقاہی اثر نے کُند کر دیا تھا پھر تیز ہونے لگی ہے۔ تو اس وقت پادری گھبراتے ہیں۔ مگر اب ان بچوں میں اتنی سمجھ اور جراُت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جانے سے انکار کرتے ہیں۔ تب وہ پادری انہیں جبرًا گھسیٹتے ہیں تو مَیں انہیں روکتا ہوں۔ اس پر ایک پادری پیچھے سے ایک بڑے خنجر سے مجھ پر وار کرتا ہے جس سے مَیں گر پڑتا ہوں۔ اور حواس ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ریڈیو پر کوئی اعلان ہو رہا ہے اور وہ میرے متعلق ہے اور الفاظ یہ ہیں:-

"اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی مگر خدا تعالیٰ کے فضل نے اُسے بچا لیا۔"

جب دوستوں کو یہ رؤیا سُنایا گیا تو سب کو حیرت تھی کیونکہ بظاہر وہاں اس بات کا امکان نظر نہیں آتا تھا کہ ہمارا عیسائیت سے کوئی زیادہ مقابلہ ہو کیونکہ وہ ہمارے مقابلے پر آنے یا ہم سے بات کرنے کی جراُت نہیں کرتے تھے۔ زیادہ تر مقابلہ غیر احمدیوں ہی سے رہتا تھا۔ بہرحال اس رؤیا کے کچھ عرصہ بعد پریذیڈنٹ سکارنو نے دوسری شادی کی جس پر ملک میں بہت شور ہوا اور اس ضمن میں تعددِ ازدواج کے مسئلہ پر بھی ناواجب رنگ میں حملہ کیا گیا۔ اور میرے حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کیا گیا۔ اس پر مَیں نے ایک مضمون لکھا اور ترجمہ کروا کر اخباروں میں چھپوایا۔ اس مضمون سے عیسائی ایسے مشتعل ہوئے کہ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ منافرت مذہب کے قانون کی خلاف ورزی کا مقدمہ چلایا جائے۔ چونکہ ان دنوں وہاں الیکشن بھی ہو رہے تھے انہوں نے سیاسی حربہ بھی استعمال کیا اور حکومت جو ان دنوں ماشومی پارٹی کی تھی انہیں مجبور کیا کہ وہ یہ مقدمہ چلائیں۔ اور مجھے ضرور سزا دلوائیں (انڈونیشیا میں منافرت مذہب پھیلانے کا قانون بڑا سخت ہے اور میرے اس مقدمہ میں وکلاء کا

خیال تھا کہ سات سال کی قید کی سزا ہونے کا امکان ہے ) چنانچہ اس ضمن میں ہم مسٹر روم سے بھی ملے جو ان دنوں وزیر خارجہ تھے اور ان کی باتوں سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مجبور ہیں۔ ہمیں کمیونسٹوں کے مقابل ان کے ووٹوں کی ضرورت ہے۔

چنانچہ یہ مقدمہ مجھ پر حکومت کی طرف سے چلایا گیا اور خیال یہی تھا کہ سزا ضرور ہو گی۔ اور بعض احباب نے حضور رضی اللہ عنہ کو خطوط بھی لکھے کہ اس کے جوش نے یہ صورت پیدا کر دی ہے۔ ادھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یعنی میرے والد ماجد بیمار ہو گئے۔ اور حضورؓ نے مجھے لکھا کہ واپس آ جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ مقدمہ ہے اور پولیس کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جا سکتا اور پھر پولیس اجازت دینے کیلئے تیار نہیں۔ غرض قریباً آٹھ نو ماہ اسی طرح سے معاملہ لٹکتا رہا۔ کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو نہ باہر جانے کی اجازت ملے اور عیسائیوں کا غصہ بھی دن بدن بڑھتا چلا گیا اور ان کا سزا کا مطالبہ بھی۔ اس دوران میں جکارتا سے قریباً ڈیڑھ ہزار میل دور سے ایک مجسٹریٹ تبدیل ہو کر جکارتا آیا۔ جکارتا آ کر اس کی بیوی نے احمدیت کا ذکر سنا۔ وہ ہمارے مشن آئی اور آخر احمدی ہو گئی۔ اس کے نتیجہ میں اس کے خاوند یعنی وہ مجسٹریٹ بھی آنے لگے۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز انہوں نے ہمارے ساتھ پڑھی۔ اور نماز کے بعد میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ سنا ہے آپ کے والد بیمار ہیں اور آپ جانا چاہتے ہیں۔ مگر مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو چکتا۔ میں نے کہا کہ ہاں! ایسا ہی ہے۔ چنانچہ میں نے انہیں سارا قصہ سنایا۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ کل آپ عدالت میں آ جائیں۔ چنانچہ ہم گئے۔ ان صاحب نے خود ہی وہ مقدمہ اپنی عدالت میں منتقل کروایا۔ خود ہی میری طرف سے پیروی کی۔ مجھے بولنے بھی نہیں دیا۔ اور پھر مقدمہ خارج کر دیا۔ اتنی جلدی اس مقدمہ کا ان کی عدالت میں منتقل ہونا اور پھر چند منٹوں میں خدا کے فضل سے

کلی برأت کے سامان ہو جانا خداؔ کے فضل ہی سے ہُوا اور اس کے فضل ہی نے بچایا ورنہ ظاہری سامان تو بچنے کے نہیں تھے ۔

مَیں نے یہ واقعہ کئی دفعہ عیسائیوں کے سامنے پیش کیا ہے اور ان سے مطالبہ کیا ہے کہ تم میں بھی اگر ایسے تجارب رکھنے والے ہوں جن کے ساتھ خدا تعالیٰ ایسا سلوک کرتا ہے اور اس کی نصرت فرماتا ہے تا اس کے دین کی صداقت جس کے وہ خادم ہیں ثابت ہو تو پیش کرو جیسا کہ ہم پیش کرتے ہیں ۔ اور ہمارے اندر ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں ایسے ہیں جنہوں نے اسلام اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان اور مسیح پاکؑ کے منجانب اللہ ہونے کی نشانیاں اپنی ذات میں مشاہدہ کی ہیں ۔ غرض بارہا عیسائیوں کے سامنے اس بات کو پیش کیا ہے مگر ہر بار انہیں انکار ہی کرتے بنی ہے ۔ اور کیوں نہ ہو حق کے سامنے باطل کب ٹھہر سکتا ہے ۔

سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر پیشگوئی کی تھی کہ آپؑ کی جماعت حجت و برہان کی رُو سے تمام قوموں پر غالب رہے گی ۔ اس پیشگوئی کی صداقت کو ہم اپنی زندگی اور جماعت کی تاریخ کے ہر دن میں ایک تازہ نشان کے طور پر مشاہدہ کرتے ہیں یہ ایک ایسی زبردست خدائی تائید ہے کہ جس کا ثبوت خدائی جماعتوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا کہ بظاہر امّی اور اَن پڑھ اور ظاہری علوم میں دوسروں سے کم ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ نے اس جماعت کو وہ آسمانی امور اور الٰہی باتوں کے متعلق ایسے دلائل عطا فرمائے ہیں اور پھر ان دلائل کو استعمال کرنے کا ایسا ذوق اور فراست بخشی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم ہم میں سے کسی بچے کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ مجھے یاد آیا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سُنایا کرتے تھے کہ ۵۳ء کے فسادات کے دَوران کچھ شوریدہ سر افراد سیالکوٹ کے ایک بڑے آدمی کے پاس جو

لیڈر مانے جاتے تھے گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ جماعت احمدیہ کے خلاف ان کے ساتھ شریک ہوں مگر ان صاحب نے بڑی سختی سے انکار کیا اور کہنے لگے کہ علم دین تو مجھے زیادہ نہیں اور نہ میں کفر و اسلام کے مسئلہ میں پڑنا چاہتا ہوں میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری آنکھوں نے وہ نظارہ دیکھا ہے اور انہیں بھولی نہیں کہ جب ہمارے مولوی آگے اور عیسائی پادری اُن کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے تھے اور پھر میری ان ہی گنہگار آنکھوں نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ عیسائی پادری آگے آگے اور مرزائی پیچھے اُن کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہوتے تھے اور میں ان دونوں نظاروں کو کسی طرح فراموش نہیں کرسکتا اور ان کے تقابل سے اس کے سوا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا کہ اسلام کی تائید کے لئے جو دلائل جماعت احمدیہ کے پاس ہیں وہ اور کسی کے پاس نہیں۔ یہ مثال کوئی استثنائی صورت نہیں بلکہ ہر زمانہ اور ہر زمین میں یہی نظارہ دیکھا گیا ہے اور ہر میدان میں باطل نے ہمارے ذریعہ شکست کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سچے مذہب اور جھوٹے مذہب میں ایک مابہ الامتیاز یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ سچے مذہب کے اصول حقہ ایسے مضبوط ہوتے ہیں کہ مرور زمانہ اور اعتراضات اور مخالفتوں کا ان پر اثر نہیں ہوتا اور وہ ایک تناور درخت کی طرح جس کی جڑیں زمین میں دُور تک چلی گئی ہوں سخت سے سخت آندھیوں کا مقابلہ کرنے کے باوجود اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے مگر باطل عقیدہ ایسا نہیں ہوتا مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ اس کے اصول مضبوط نہیں ہوتے اور دلائل پختہ نہیں ہوتے، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جماعت احمدیہ اور اس کے مخالفین کے حالات پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہمیں یہ مابہ الامتیاز بڑے واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ہر قوم اور ہر مذہب جو جماعت کے مقابل پر آیا اُسے اس کے دلائل حقہ کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا اور نادم ہو کر اپنے اصولوں میں تبدیلی کرنی پڑی خواہ وہ عیسائی تھے، آریہ تھے، سناتنی تھے یا مسیح کو بجسدہ العنصری آسمان پر بٹھانے والے مسلمان۔ اور عیسائی قوم کا تو یہ حال ہے کہ ہمارے مقابل پر آنے کی انہیں ہرگز جرأت نہیں ہوتی اور ان میں ہرگز تاب نہیں کہ اپنے بودے عقائد کے بل بوتے پر اور انجیل جیسی محرف و مبدل کتاب کے ساتھ ہمارے دلائل حقہ کا جو ہمیں خدا کی پاک کتاب فرقان مجید سے دیئے گئے مقابلہ کرسکیں۔ چنانچہ اب عیسائیوں پادریوں اور منادوں کو عام طور پر یہ حکم ہے کہ وہ

احمدیوں سے مذہبی گفتگو نہ کریں مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک تازہ وارد امریکن پادری سے میری مذہبی گفتگو ہو رہی تھی ابھی چند منٹ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ چونک کر کہنے لگا کہ آپ قادیانی تو نہیں؟ مَیں نے جب اقرار کیا تو کہنے لگا کہ معاف کیجئے ہمیں امریکہ سے چلتے وقت جو خاص ہدایات دی گئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ یہ قادیانی بہت بُرے ہوتے ہیں ان سے کبھی بات نہ کرنا۔

جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلئے کھڑا کیا ہے کہ ہم حرمات اسلام کے پاسبان ہوں اور قرآن کریم کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کریں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی علم کا ماہر کسی علم کے ذریعہ قرآن کریم پر اعتراض کرے خدا کے فضل سے ہم قرآن کریم کے اندر ہی سے اس کا جواب نکال کر پیش کر دیں گے اور اس مقابلہ میں ہر علم کا پَیرو شرمندہ ہوگا مگر قرآن کے خادم کو کبھی شرمندگی کا مُنہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

ہماری جماعت کے احباب کو خدا کے اس احسان کی قدر کرنی چاہیئے اور ان دلائل و براہین کے سمندر سے جو مسیح پاک علیہ السلام خدا کے کلام سے اخذ کر کے بہا گئے ہیں زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہیئے تا ان کا یہ علمی رُعب قائم رہے بلکہ بڑھتا چلا جائے اور تا آخر کار دنیا ان دلائل کی تاب نہ لا کر اسلام کو اختیار کرلے اور محمد مصطفیٰ صلعم کو پیشوائی کیلئے قبول کرنے پر تیار ہو جائے۔

یہ چند سطور اپنے تبلیغی تجارب پر مشتمل مکرم محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر کے اصرار پر لکھ دی ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی یہ کتاب بہتوں کے لئے برکت کا موجب ہو۔ اُمید ہے کہ جماعت کے نونہال اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش میں برکت دے۔ آمین

والسّلام

مرزا رفیع احمد ۴ ۱۰/۹۶